رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر:- میر حسن الدین بی۔اے۔ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ

سالانہ ... ... [illegible]

ششماہی ... ... [illegible]

قیمت فی پرچہ (۲ر)

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

جلد (۹) | یکم تیر سنہ ۱۳۵۸ ف | ۲ر رجب سنہ ۱۳۶۸ھ | یکم مئی سنہ ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۳)

انفرادی آزادی اور سیاسی تنظیم

قوم پرستی کے مضمرات

جمہوری طرز زندگی کے لئے امن اور تحفظ ضروری ہے لیکن آج اشتمالی اور فاسسٹی نظریات اس کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ جمہوریت اور ان ہمہ گیر نظریہ حیات میں مفاہمت نہیں ہوسکتی۔ جمہوریت کا نظریہ دو تصورات پر مبنی ہے ——— انسانی مساوات اور انفرادی آزادی۔ لیکن ان تصورات میں تصادم بھی ہوجاتا ہے۔ بعض لوگ جمہوریت سے اکثریت کی حکومت مراد لیتے ہیں اور بعض فرد کی آزادی پر زور دیتے ہیں۔ اول الذکر نقطہ نظر سے سماجی سیاسی اور معاشی زندگی میں ہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اور آخر الذکر سے افراد اور جماعتوں کی آزادی فکر و عمل حاصل ہوتی ہے اگر ہمارے سیاسی ادارے اکثریت کی حکومت کے تصور پر زور دیں تو جمہوریت کا حقیقی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان میں جمہوری تصورات قومی تصورات کے تابع ہیں جس کی وجہ سے ہماری پیچیدہ سماجی اور ثقافتی زندگی پر پوری توجہ نہیں کی جارہی ہے۔ سماجی اور سیاسی زندگی کے ایک تصور کو اتنا پرچار کیا جارہا ہے کہ دوسرے نظریات حیات کو دبا دیا گیا ہے۔ اس ہمہ گیر تصور کو یہ کہہ کر جمہوری آزادی پر مسلط کردیا گیا ہے کہ قوم خطرہ میں ہے۔ مملکت خطرہ میں ہے۔ اور دوسرے نقطہ نظر کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا جارہا ہے۔ ہندوستان میں جمہوریت اور قوم پرستی ساتھ ساتھ نمو پاتے رہے ہیں۔ جمہوریت کے مقابل میں قوم پرستی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بیسویں صدی میں قوم پرستوں نے اعتدال پسندوں کو کانگریس سے نکال باہر کردیا۔ قوم پرستی مملکت کی آزادی اور تحفظ پر زیادہ زور دیتی ہے جس سے ایک ایسی فوجی اور انتظامی مشینری وجود میں آجاتی ہے جس کو امن کے زمانہ میں بھی شہری زندگی کے اغراض کے تابع رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افراد اور جماعتوں کی شہری آزادیاں کچلی جاتی ہیں۔ درسگاہوں میں جو کچھ سکھایا جاتا ہے۔ پریس اور پلیٹ فارم سے جو کچھ کہا جاتا ہے۔ جلسوں، کتابوں اور ریڈیو سے جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ مملکت کی مدافعت مقدم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملک کو ایسا خطرہ لاحق ہے یا کوئی ناگہانی صورت حال پیدا ہوگئی ہے؟ زمانہ امن میں اس کو کون ثابت کرسکتا ہے اور اس کا تصفیہ کون کرسکتا ہے؟

جب کسی ملک کو باہر سے خطرہ لاحق ہو تو انفرادی آزادی قومی قوت کے لئے مضر ہوسکتی ہے۔ لیکن استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ عصر جدید میں بین الاقوامی حالات ہمیشہ غیر یقینی ہوتے ہیں اس لئے ایک مستقل خطرہ لگا رہتا ہے اس بنا پر انفرادی آزادی کو محدود کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اس رجحان کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقریر و تحریر، اجتماع اور اظہار رائے کی آزادی پر تحدید عائد کردی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے جنگامی قوانین جو برطانوی حکومت کے دور میں نافذ رہ چکے تھے اور جن کو لوگ بھول چکے تھے دوبارہ نافذ کرائے گئے۔ اور برسر اقتدار جماعت سے اختلاف رکھنے والے اداروں کو دبانے کے لئے نئے نئے قوانین بنائے گئے۔ مختلف افراد کو بلا تحقیقات حراست میں رکھا گیا۔ ان مخالف جماعتوں کے معاشی اور سیاسی نظریات مختلف تھے لیکن ان کا طریقہ کار پر امن اور جمہوری تھا۔ ان کے جلسوں اور جلوسوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ہر مخالف جماعت پر فاسسٹی یا فرقہ واری کا لفظ آسانی سے منطبق کیا جاتا ہے حتیٰ کہ معاشی اور ثقافتی تحریکات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کا ثبوت ان مقدمات سے مل سکتا ہے جو ملک کی مختلف عدالتوں میں پیش ہوتے ہیں۔ یہ نئی جمہوری مطلق العنانی تعلیمی اداروں پر بھی دست درازی کررہی ہے۔ غیر سیاسی جماعتوں کو بھی اپنے جلسے منعقد کرنے کے لئے اجازت لینی پڑتی ہے۔

آج سیاسی اداروں اور جماعتوں کے وجود کو جمہوریت کا لازمی نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لئے مختلف جماعتوں کا وجود ضروری ہے تاکہ کسی ملک کے شہریوں کو مختلف پروگرام اور مختلف پالیسیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا موقع حاصل رہے۔ متبادل پروگرام کے ذریعہ ہی سے عوام کو اپنی مرضی کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ مختلف جماعتوں کو یہ حق حاصل رہنا چاہئے کہ وہ اپنے پروگرام کی تائید میں رائے عامہ حاصل کرسکیں۔ لیکن یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ مختلف جماعتوں کا وجود قومی استحکام اور اتحاد کو کمزور کردیتا ہے۔

جو حکومتیں اپنے آپ کو قومی کہتی ہیں وہ ضرور اختلاف کو دبا دیتی ہیں۔ کمیونسٹ حکومتوں کا بھی یہی حال ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ

(باقی صفحہ ۶)

۲۸۹ / ۲۹۲

ہفتہ وار

مملکت

یکم تیر ۱۳۴۰ شرفت

مشترکہ زبان کا مسئلہ

یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کی اطلاع ہے کہ گزشتہ ہفتہ لاتور میں آریہ کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے پنڈت خوش حال چند نے زبان کے مسئلہ پر بحث کی اور فرمایا کہ ملک کی قومی زبان ہندی ہونی چاہئے۔ آج پنڈت نہرو نے بھی دیوناگری کو قومی رسم الخط تسلیم کر لیا ہے۔

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں پنڈت نہرو کے خیالات کی یہ صحیح ترجمانی نہیں ہے اکثر دیکھا جا رہا ہے کہ مختلف گوشوں میں پنڈت نہرو کے خیالات کو مسخ کر کے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جیسے زبان کے مسئلہ کی نسبت عوام کی صحیح رہنمائی نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ سے متعلق پنڈت نہرو نے بارہا اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ابھی حال میں موصوف کا ایک طویل مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ سطور ذیل میں ہم اجمالی طور پر پنڈت نہرو کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔

پنڈت نہرو فرماتے ہیں کہ انسانی سماج کے ارتقا میں زبانوں نے بڑا حصہ لیا ہے لیکن انھوں نے عوامی زبان کی ترقی میں رکاوٹ بھی ڈالی ہے جب تک علما قدیم زبانوں میں سوچتے اور لکھتے رہیں گے عوامی زبانوں کی ترقی نہیں ہوگی۔ سولہویں صدی تک یورپ میں لاطینی زبان وہاں کی عوامی زبانوں کی ترقی میں حائل رہی۔ ہندوستان میں سنسکرت کا اثر اتنا غالب رہا کہ عوامی زبانوں کی جو بعد میں صوبائی زبانیں بن گئیں ترقی رک گئی۔ بعد میں ہندوستان کے بڑے بڑے علاقوں میں علما کی زبان فارسی بن گئی ہمیں اس مسئلہ پر غور کرتے وقت ان بنیادی امور کو یاد رکھنا چاہئے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سیاسی طور پر یا جذبات یا تعصب کی بنا پر اگر کوئی عاجلانہ فیصلہ کیا گیا تو آئندہ وہ صدمہ نقصان دہ ثابت ہو۔ ہمیں آئندہ کے لئے تعمیری کام کرنا ہے۔ اگر غلط بنیادوں پر کام شروع کیا گیا تو صرف لسانی حیثیت سے نہیں ثقافتی اور انسانی حیثیت سے بھی ترقی رک جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ اس زبان کا کیا نام دیا جائے۔ ہندی کہا جائے یا ہندوستانی کے نام سے پکارا جائے ہمیں اپنے سامنے ایسی زبان رکھنی چاہئے جو بڑھنے اور پھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ سنسکرت خواہ کتنی ہی عظیم الشان زبان کیوں نہ ہو اور ہم میں اسے ترقی دینے کی خواہش کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو پھر بھی یہ ایک زندہ زبان نہیں بن سکتی۔ اسے پہلے کی طرح داخلی مواد کے طور پر قائم رہنا چاہئے۔ گزشتہ چند صدیوں میں فارسی نے ہماری صوبائی زبانوں اور خصوصاً ہندوستانی زبان کے ارتقا میں ایک بڑا اہم حصہ لیا ہے اور ہمارے انداز کار پر بہت اثر انداز ہوئی ہے۔ اسی طرح ہم کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ فارسی سے زیادہ کوئی زبان سنسکرت سے قریب نہیں۔ اگر ان امور کو پیش نظر رکھا جائے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ جس کل ہند زبان کو ہم ترقی دینا چاہیں اسے لچکدار ہونا چاہئے، جو ثقافتی خصوصیات اس میں مدغم ہو چکی ہیں انھیں برقرار رہنا چاہئے۔ اسے لازمی طور پر علما کے ایک مخصوص طبقہ کی نہیں کل عوام کی زبان ہونی چاہئے۔ جہاں تک اصطلاحات کا تعلق ہے ہمیں اولاً ہر اس لفظ کو منظور کر لینا چاہئے جسے قبول عام کی سند مل چکی ہے۔ رہا رسم الخط کا سوال تو یہ ظاہر ہے کہ ناگری لکھاوٹ بہت رائج ہے لیکن چونکہ ثقافتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے الگ رہنے کا اصول غلط ہے اردو رسم الخط کو بھی تسلیم کیا جائے اور اسے سکھایا جائے۔ کسی طرز تحریر پر کوئی ایسی پابندی نہ لگائی جائے جسے خالص ہندی یا اردو کہا جا سکے۔

سطور بالا میں ہم نے پنڈت نہرو کے خیالات کا لب لباب پیش کر دیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پنڈت خوش حال چند اور ان کے ہم خیال پنڈت نہرو کے خیالات کو اپنے نقطۂ نظر سے کس طرح توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ ہماری یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ جب تک سیاسی محرکات سے ہٹ کر غور نہیں کیا جائے گا ہندوستان کی مشترکہ زبان کا مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھ جائے گا۔ ہندوستان کے بہترین دماغ اس مسئلہ پر عرصہ سے غور کرتے رہے ہیں اور ایک مشترکہ زبان نمو دینے کی کوشش کی ہے۔ اس مسئلہ پر علامہ سید سلیمان ندوی نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ:-

> آج سے سات آٹھ برس پہلے گاندھی جی کے کہنے پر جو عبدالحق راجندر پیکٹ ہوا تھا اس میں ہندوستانی کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ یہ وہ بولی ہے جس کو اتری ہندوستان میں ہندو مسلمان روزمرہ عام طور پر بولتے اور سمجھتے ہیں جس میں عربی اور فارسی سنسکرت اور ہندی کے بڑے بڑے لفظ نہ لائے جائیں اور جس کو اردو اور ہندی دونوں حرفوں میں لکھ سکتے ہیں۔
>
> میں اب بھی ہندوستانی کی یہی تعریف کرتا ہوں اور اسی کو ہندوستانی سمجھتا ہوں جس بولی کو ہم آج ہندوستانی کا نام دیتے ہیں وہ ہندی کی مختلف شکلوں میں سے وہ شکل ہے جو کبھی دلی کے آس پاس بولی جاتی تھی اور جو راجدھانی کی زبان ہونے کی وجہ سے سارے دیس کے بول چال کی زبان ہو گئی اور جس میں مسلمانوں کے میل جول سے عربی فارسی کے لفظ ان کے مذہبی اور تمدنی ضروریات کی چیزوں کے نام جن کا بدل ہندی میں نہیں مل سکتا تھا گھل مل گئے یہ دلی کی زبان ایک زمانہ جس پر صدیاں گزر چکی ہیں

ملک میں بولی اور بھی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کو صاف کرکے اور نکھار کر ہم اور بھی اس کو آنے والی ملکی ضرورتوں کے مطابق بنالیں۔ ہمارا یہ کام اس لئے اور زیادہ آسان ہو گیا ہے کہ ہم نے ہماری ہندوستانی کمیٹی میں ابھی بہت کچھ سوچ سمجھ لیا ہے اور اس کام کے بہت سے کٹھن راستے طے کر لئے ہیں۔ . . . . ہندی اور سنسکرت کے وہ سب لفظ جو اردو بول چال میں آگئے ہیں وہ ہندوستانی کے لفظ ہیں۔ اسی طرح عربی اور فارسی کے وہ سارے لفظ جو ہندی لٹریچر میں آگئے ہیں وہ بھی ہماری ہندوستانی کے لفظ ہیں۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور دیگر کانگریسی قائدین جس زبان کو ہندوستان کی مشترکہ زبان تصور کرتے ہیں وہ ہندوستانی ہے اور اس کی مستند تعریف یہ ہے کہ وہ زبان ہے جو کم و بیش سارے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور غیر ضروری ثقیل فارسی عربی اور سنسکرت الفاظ سے مبرا ہوتے ہوئے اہم سے اہم مطالب کو سادگی کے ساتھ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس کو دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخط میں لکھ سکتے ہیں۔ چند سال قبل ڈاکٹر تیج بہادر سپرو اور ڈاکٹر تاراچند وغیرہ نے الہ آباد میں "ہندوستانی اکاڈمی" قائم کرکے ایسی ہی عام فہم زبان کو رواج دینے کی کوشش کی تھی جو ملک میں کافی مقبول ہوئی اور اچھی نظروں سے دیکھی گئی۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھی اس کوشش کو پسند فرمایا تھا۔

ہندوستان شاہ برطانیہ کے اقتدار کو تسلیم نہیں کریگا

مستقبل کے جمہوریہ ہند کو دولت مشترکہ میں برقرار رکھنے کے لئے ایک منصوبہ کی چھان بین کا کام آج تیز ہو گیا ہے۔ جب کہ تکثروی وزراء اعظم جو اس وقت لندن میں ہیں اور ان کی حکومتوں کے درمیان تاروں کا ایک تانا بندھ گیا۔ تاروں کے اس تبادلہ سے کل کے دوسرے ابتدائی اجلاس میں متوقع طور پر تجاویز کا ملاحظہ کرنے کے لئے زمین ہموار ہو گئی ہے۔ اس اجلاس میں موجودہ گفتگو اپنی انتہائی عروج میں رہے گی۔

مسئلہ کی نازک منزل یہ ہے کہ ہندوستان جب عنقریب جمہوریہ بن جائے گا تو وہ کسی طور پر بھی طور سے بادشاہ کے اقتدار کو قبول نہیں کرے گا۔ تاج کا رشتہ تمام قلمروؤں کے تعلقات کی موجودہ اساس ہے اور بعض خصوصیت سے زیادہ قدر کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بڑی وسعت نظری سے پیش کیا جا رہا ہے کہ دولت مشترکہ ادارہ کافی لچکدار ہے جو مکمل طور پر جمہوریہ حتیٰ کہ ایک قوم کو بھی اپنے میں شامل رکھ سکتا ہے جو تاج کے رشتہ کو اپنے تعلق کی ناقابل جدائی اساس تصور کرتی ہے۔ بین قومی قانون کے مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی قسم کا بھی ایک رشتہ ضرور تلاش کیا جائے۔

دولت مشترکہ کے مختلف حلقوں اور اخباری تبصروں میں اکثر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ کا حل دولت مشترکہ میں بادشاہ کی خصوصی حیثیت کو ہندوستان سے تسلیم کر لینے میں ہے۔ ایک منزل پر یہ خیال کیا گیا کہ اس رشتہ کو شاید مشترکہ شہریت کی شکل میں برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تسلیم کیا گیا کہ ممالک کے درمیان شہریت کے اقسام کی تعریف اور ان مسائل پر کوئی حل ممکن ناقابل عمل ثابت ہوا۔

لندن اور قلمروؤں کے ذمہ دار اخبارات نے تبصروں میں اس عام خواہش کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہندوستان دولت مشترکہ میں اپنے اہم منصب ادا کرتا رہے۔ کانفرنس کے اثر پذیر ماحول کو محسوس کیا جا رہا ہے اور کل کا اہم اجلاس کا بڑی رجائیت کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے جس کا اظہار ابتداء ہی سے اب تک کیا جاتا رہا ہے۔

کینیڈا کے حلقوں کے رد عمل میں مستقل کانفرنس کی کامیابی کی توقعات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ باور کرنے کا بہت کم رجحان پایا جاتا ہے کہ موجودہ مسئلہ کا حل کرنا ان قائدین کی اہلیت سے تجاوز ہے۔

جنوبی آفریقہ کی خواہش ہے کہ ایک ایسا فارمولہ دریافت کیا جائے جس کے تحت جمہوریہ کو دولت مشترکہ میں شامل کیا جا سکے۔ جنوبی آفریقہ کے قوم پرست جو اس وقت برسر اقتدار ہیں۔ اپنے ملک کے لئے بھی جمہوریہ کی حیثیت چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس خواہش کا اظہار صرف انگریزی بولنے والے عوام ہی کر رہے ہیں۔

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ خاص کر ہندوستان سے اپنا مشترکہ تعلق رکھنے کے لئے بے چین ہیں۔ ایشیائی اقوام ان کے قریب ترین اور دولت مشترکہ کے بڑے ممالک ہیں۔ اور مشرقی واقعات میں ان کے مفادات مشترک ہیں۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ دونوں جذباتی طور پر تاج کے رشتہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ دولت مشترکہ کے جمہوری ممالک کے درمیان تعاون کی حقیقتوں سے بھی واقف ہیں۔

باقی دو قلمرو۔ پاکستان اور سیلون جنہوں نے ہندوستان کی طرح گزشتہ دو سال میں قومی آزادی حاصل کی ہے۔ ان دونوں ممالک کو ابھی اپنے اداروں کی آخری شکل کا تصفیہ کرنا ہے اور موجودہ کانفرنس کا نتیجہ ہی نیز ان کے لئے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

کچے دھاگے

جب پتنگا مکڑی کے جال میں پھنس جاتا ہے تو موت آتی ہے۔ جب تار نفس میں روح جکڑ دی جاتی ہے تو زندگی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب "کچے دھاگوں" میں دل باندھے جاتے ہیں تو کبھی موت چھا جاتی ہے تو کبھی زندگی۔ یہ کیوں؟۔ اس "کیوں" کا جواب "کچے دھاگے" میں پڑھیے۔

رفیعہ سلطانہ کے افسانوں کا مجموعہ

ملنے کا پتہ
احمد حسین جعفر علی تاجر کتب چار مینار

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلاتبصرہ:

لاتور کے آریہ سماج کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سوامی رامانند تیرتھ نے جدوجہد آزادی کے تعلق سے آریہ سماج کی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ ان کی خدمات کو فراموش کرنا ناممکن ہے۔ کانگریس کو آریہ سماج سے ہر قسم کی مدد حاصل ہوئی۔

معاصر "پیام" کو شکایت ہے کہ:۔

اب مسلمانوں کو اس کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ مسلمان اپنی شکست کو تسلیم کرلیں اور راضی برضا، توکل علی اللہ مسجدوں میں خانقاہوں میں اپنی نجات اور پناہ تلاش کریں۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا:۔

کہا اقبال نے پیر حرم سے
تہِ محراب مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بت کدے میں کھو گیا کون؟

اگر اقلیتی فرقہ کے نچلے اور درمیانی طبقہ کے لوگ کانگریس میں دستوری شرکت کے بجائے طبقاتی جدوجہد کے ذریعہ آگے بڑھتے ہیں تو ان کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔ (پیام)

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

معاصر "پیام" جس نے پولیس کارروائی کو "انقلاب جمہوری قوتوں کی فتح" کہا تھا اب یہ لکھ رہا ہے کہ:۔

ایسے دور میں جبکہ خاصبانہ مفادات ہماری سماجی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں ہم صرف مسلسل جدوجہد اور طبقاتی اتحاد و تنظیم ہی کے ذریعہ نجات حاصل کرسکتے ہیں۔

---

۱۷ ستمبر سے پہلے معاصر "پیام" نے ایک مستان کے راجہ صاحب کی صفائی میں جو متعدد مراسلے شائع کئے تھے ان کا مقصد غالباً غاصبانہ مفادات کی پیچ کنی تھا۔ اور معاصر موصوف منظور جنگ کے "قیمتی" بیانات کو جو اچھالتا رہا۔ خیر جانے دیجئے اس قصہ کو۔

مسلمانوں کو معاصر "پیام" مشورہ دیتا ہے کہ:۔

عام مسلمان بھی دوسرے فرقوں کے عوام کے بنیادی مسائل سے اپنے آپ کو وابستہ کرلیں تاکہ طبقاتی جدوجہد کے آگے بڑھتے ہوئے کاروان کے ہم قدم اور ہم نوا ہو کر سرمایہ دارانہ سماج میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے میں اپنا حصہ ادا کرسکیں۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مدیر "پیام" نے یہ اداریہ تھری کیسل سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے لکھا ہے۔

حیدرآباد و حیدرآبادیوں کے لئے:۔
(بارہ ممتاز ہندو اصحاب کا نعرہ)
حیدرآباد ہندوستان کا جزو لاینفک ہے۔ (سوامی رامانند تیرتھ کا اعلان)

مسلم کنونشن کے جلسہ میں مولانا نذیر حسینی افتخاری نے فرمایا کہ:۔

صدر اسٹیٹ کانگریس اور معتمد سوشلسٹ پارٹی سے ابھی گفتگو جاری ہے۔

گفتگو کا جاری رہنا ہی مناسب ہے۔ ورنہ مولانا افتخاری کی قیادت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔

آریہ سماج ایک غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہے۔ (سوامی اجیدانند)

۱۷ ستمبر سے پہلے آریہ سماج لیڈروں نے اس کو غیر سیاسی اور مذہبی ادارہ کہا تھا۔

جمعیت علمائے حیدرآباد کے وفد کی گورنر جنرل ہند سے ملاقات۔ (اخباری سرخی)

مگر اس وفد میں کوئی حیدرآبادی نہیں تھا۔

ہندوستان صحت جسمانی کے اصولوں میں سب سے آگے ہے۔ (اخباری سرخی)

اس کا ثبوت وہ فسادات ہیں جو ہندوستان میں پھوٹ پڑے تھے۔

خود غرضانہ مقاصد کے حصول کے لئے عوام کے نام سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ عوام چوکس رہیں گے اور اپنے نام کو بیجا استعمال نہ ہونے دیں گے۔ (پیام)

عوام کے نام کو استعمال کرنے کا حق بلکہ اجارہ صرف معاصر "پیام" کو حاصل ہے۔

حیدرآباد کے نظم و نسق میں فوری اصلاح کی ضرورت ہے۔ (ڈاکٹر لنکا سندرم)

سر اکبر حیدری کے زمانہ میں جب ڈاکٹر لنکا سندرم حیدرآباد آئے تھے تو انھوں نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "اکبر اعظم"۔

بیج جات
بعقب ڈی جان اینڈ سنس
محی الدین بلڈنگ حیدرآباد دکن
فون نمبر (۲۰۳۰)

امن و ترقی کے لئے

غذائی مسئلہ کا حل ضروری ہے

ہندوستان کی آزادی، اس میں شک نہیں، صرف سرزمین ہند بلکہ تاریخ عالم کا اتنا اہم واقعہ ہے کوئی ملنے یا نہ ماننے والا اس کی اہمیت تسلیم کرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ سوال بدستور اپنی جگہ قائم ہے کہ ہندوستان کی آبادی کو اس آزادی سے جو فائدہ اٹھانا ہے اس کی نوعیت کیا ہوگی اور اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے اس کو دیکھ کر مستقبل کے متعلق کیا معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی بدقسمتی جس نے اس وقت تک اسے ابھرنے نہیں دیا اس کی کثرت آبادی اور اختلاف مذاہب ہے۔ اگر اس کی آبادی چالیس کروڑ کی جگہ صرف دس کروڑ ہوتی یا یہاں صرف مسلمان ہی مسلمان یا ہندو ہی ہندو ہوتے تو غالباً یہ ملک اس سے بہت پہلے آزاد ہو چکا ہوتا اور حصول آزادی کے بعد جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں وہ سامنے نہ آتیں۔ چونکہ اتنی بڑی آبادی کو جسے پورے برعظم پر پھیلا ہوا ہونا چاہئے تھا کسی ایک خیال پر متفق کرنا اور اتنے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو جنھوں نے بجائے اصل مذاہب کی اخلاقی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا ہے وہ یہ باور کرانا کہ مذہب کی حقیقی روح صرف انسانیت پرستی اور اخوت عام ہی ہے، بہت مشکل تھا اور ہے۔ جب تک انگریز یہاں حکومت کرتے رہے ہم نے ہمیشہ یہی سمجھا اور کہا کہ یہ اختلاف زیادہ تر انھیں کا پیدا کیا ہوا تھا اور جو بڑی حد تک درست بھی ہے، لیکن اب کہ ان کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور ملک آزاد ہو چکا ہے ہم کو اطمینان و سکون کیوں نصیب نہیں ہوا؟ یہ اتنا اہم سوال ہے کہ نہ صرف حکومت بلکہ ہندوستان کی تمام آبادی کو اس پر غور کرنا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں سب سے زیادہ وہ تلخ حقیقت جس کے سامنے مذہبی عقائد اور اصول اخلاق بھی اپنی سپر ڈال دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اقتصادی حقیقت ہے جس کو حل کئے بغیر دنیا کی کوئی حکومت قائم نہیں رہ سکتی اور بدقسمتی سے اس وقت اسی مسئلہ نے اتنی وسعت اور پیچیدگی اختیار کر لی ہے کہ وہ کرۂ ارض کا درد سر ہو کر رہ گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل اگر کسی حکومت نے دریافت کیا ہے تو وہ روس کی اشتراکی حکومت ہے اور اس کے ثبوت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ وزنی دلیل یہی ہے کہ بالشویک حکومت نے بے روزگاری اور فقر و فاقہ کی مصیبت کو ختم کر دیا ہے اور اسی لئے وہاں نہ کبھی اسٹرائک ہوتا ہے نہ کوئی کارخانہ بند ہوتا ہے۔

ہم کو روس کے صحیح حالات کا علم نہیں ہے لیکن یہ ضرور جانتے ہیں اشتراکی تحریک ایک طرف یورپ میں بھی پھیلتی جا رہی ہے اور دوسری طرف یہ سیلاب چین، ملایا، برما، انڈونیشیا کی طرف سے بڑھتا ہوا ہندوستان تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشتراکیت یا کمیونزم میں وہ کیا بات ہے جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے، آیا وہ کوئی ایسا سماجی قانون ہے جو پہلے سے وضع کر کے لوگوں پر عائد کیا جا رہا ہے یا قدرتی نتیجہ ہے واقعات و حالات کا جنھوں نے از خود یہ صورت اختیار کر لی ہے۔

کمیونزم نام ہے اس احساس کا جو اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے لوگوں میں پیدا ہوتا ہے اور اس عدم توازن کا احساس اسی وقت بہت قوی ہو جاتا ہے، جب انسان اپنی روز کی ضروریات پوری کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ پھر چونکہ ان ضروریات میں سب سے مقدم غذا کا سوال ہے، اس لئے جب کسی ملک میں یہ حالت پیدا ہوگی کہ اس کا ایک طبقہ ضرورت سے زیادہ دولت کا مالک ہوگا اور دوسرا بقدر کفاف بھی حاصل نہ کر سکے گا تو وہاں ضرور دولت و افلاس میں تصادم ہوگا اور اسی تصادم کا نتیجہ اسٹرائک، ہڑتال، کمیونزم یا اشتراکیت ہے۔

پھر چونکہ جنگ کے بعد ساری دنیا کا اقتصادی توازن درہم برہم ہو چکا ہے اور غذائی اشیاء کی گرانی نے انتہائی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے قدرتاً یورپ و ایشیا میں ہر جگہ کمیونزم کو پھیلنا چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری اور دولت کی غیر متوازن تقسیم کے خلاف محنت کش طبقہ کا علم جہاد بلند کرنا بالکل درست ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آج دنیا کی تمام دولت انسانوں میں برابر برابر تقسیم کر دی جائے تو کیا موجودہ اقتصادی دشواریاں دور ہو جائیں گی۔ اور دنیا کو امن و سکون نصیب ہو جائے گا۔ ایک کمیونسٹ اس کا جواب جیشہ اثبات میں دے گا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا یہ جواب صحیح نہ ہوگا۔

اگر دماغی فطری استعداد کے لحاظ سے دنیا کے تمام انسان ایک ہی اہلیت کے ہوتے تو البتہ یہ جواب صحیح ہو سکتا تھا لیکن چونکہ یہ اہلیتیں مختلف ہیں اور اسی اختلاف نے دنیا میں فرق مراتب و مدارج کے حدود قائم کئے ہیں، اس لئے نہ کبھی ان فطری [illegible] کو دور کیا جا سکتا ہے اور نہ دور کرنا چاہئے کیونکہ دنیا میں علوم و فنون کی ترقیاں محض اسی اختلاف کے بدولت ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ وہاں اگر آج ہم دنیا کے تمام ترقی یافتہ مظاہر تمدن کو فنا کر دیں اور انسان کو یہ یقین دلا سکیں کہ زندگی کا مقصود صرف اتنا غذا پیدا کر لینا ہے کہ وہ اسے کھا کر زندہ رہ سکے تو ممکن ہے یہ تصادم دور ہو جائے لیکن غالباً صرف چند دن کے لئے کیونکہ اس عہد وحشت کی طرف لوٹ جانے کے بعد وہ پھر آگے قدم بڑھائے گا اور اس کی فطرت اسے بیکار نہ بیٹھنے دے گی۔

اس لئے اگر کمیونسٹ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسان ایک ہی سطح پر آ جائیں اور فرق مراتب کو دور کر دیا جائے تو یہ عمل یقیناً ایسا ہوگا جو فطرت کی مخالفت کرتا ہے اور انسان کو حیوانات کی سطح پر کھینچ کر لے آتا ہے۔

جن دماغوں نے ریڈیو، ہوائی جہاز، موٹر اور ٹیلیفون بنائے ہیں یقیناً عام دماغوں سے مختلف ہیں اور ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم ان کے معاشرتی مطالبات کو صرف اس اصول کی بنا پر رد کر دیں کہ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ اور ایک پتھر توڑنے والا مزدور دونوں برابر ہیں۔ بہرحال اگر کمیونسٹ یہ چاہتے ہیں کہ نوع انسانی کے تمام افراد ایک ہی طرح کی زندگی بسر کریں اور دولت سب میں برابر تقسیم ہو جائے تو ان کا یہ چاہنا بالکل غلط ہے لیکن اگر ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی فطری صلاحیت کے لحاظ سے کام کرنے کے مواقع حاصل ہونا چاہئے، تو یہ مطالبہ محض اسٹرائک یا دہشت انگیزی سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ مزدور اور کسان طبقہ کی حالت بہت کچھ اصلاح طلب ہے، لیکن اس اصلاح کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ وہ کام کم کریں اور اجرت زیادہ چاہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ سوویٹ حکومت میں جس کی وہ پیروی کرنا چاہتے ہیں ایک مزدور کو صرف ایک روٹی حاصل کرنے کے لئے دو گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، برخلاف اس کے امریکہ میں جو ایک سرمایہ دار حکومت ہے، ایک مزدور صرف بارہ منٹ محنت کر کے ایک روٹی حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ زندگی کی دوسری ضروریات کے لئے روس کے مزدور کو کتنا کام کرنا پڑتا ہوگا۔ اگر کمیونسٹ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ وہ سرمایہ داروں سے کارخانے چھین کر مزدوروں کی حالت کو بہتر بنا سکتی ہے تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ صنعتی ادارے صرف ہاتھ پاؤں اور سرمایہ سے نہیں چلتے بلکہ اس کے لئے مخصوص دماغوں کی (باقی)

کانگریس اور مسلمان

معاصر "رہنما" کا تبصرہ

گزشتہ چند دنوں سے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں عجیب و غریب اطلاعات وصول ہو رہی ہیں۔ ایک طرف ڈاکٹر ملکوٹے نے ابھی حالیہ پریس کانفرنس میں یہ اعلان فرمایا کہ کانگریس میں شرکت کے لئے مسلمانوں پر کوئی دباؤ ڈالا نہیں جا رہا ہے اور دوسری طرف ڈاکٹر موصوف کے اس اعلان کے چند ہی دن بعد کانگریس کے ایک کارکن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر ۳۰ اپریل تک مسلمانوں نے کانگریس میں شرکت نہیں کی تو انہیں (مسلمانوں کو) سیاسی، معاشی اور مذہبی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

جہاں شہر میں ایسی تقریریں ہو رہی ہیں وہیں اضلاع اور دیہاتوں میں کانگریسی کارکن مسلمانوں کو یہ دھمکی دیتے پھرتے ہیں کہ اگر وہ کانگریس میں شریک نہ ہوئے تو ان کے خلاف حکومت قانونی چارہ جوئی اختیار کرے گی۔

کانگریس کے کارکنوں کا یہ مذموم پروپگنڈا، یہ دھمکیاں اور پریس کانفرنسوں میں ایسے غلط اعلانات ان تمام اصولوں اور مقاصد کے عین خلاف ہیں جن پر کانگریس قائم ہے اور جن کے لئے کانگریس جدوجہد کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ ان اصولوں اور مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر جب کانگریس کے کارکن ایسی دھمکیاں دیتے پھرتے ہیں تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آئندہ انتخابات میں مسلمانوں کے ووٹ محفوظ کئے جائیں اور اس طرح حاصل شدہ اقتدار برقرار رکھیں۔

کانگریس کے ان کارکنوں کی نظریں انتخابات سے آگے نہیں جاتیں۔ دھمکیوں سے کانگریس کے ارکان کے اضافے سے کانگریس کی طاقت میں اضافہ نہیں ہوتا اور ملک کو اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اس سے کانگریس کمزور ہوتی ہے اور ملک کو نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ یہ کارکن کانگریس کے انتخابات جیتنے کے لئے ملک اور کانگریس کے اصلی مفادات کو قربان کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ کانگریسی کارکنوں کا یہ رویہ کانگریس اور ملک دونوں کے تعلق سے غداری کے مترادف ہے۔

ہم کانگریس کے کارکنوں اور کانگریس کے ارباب حل و عقد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان مذموم طریقوں سے باز آئیں۔ ان طریقوں سے وہ کانگریس کی بنیادوں کو کمزور کر رہے ہیں۔ وہ ملک پرست ہونے کی بجائے اقتدار پرست ہو رہے ہیں۔ کانگریس کی طاقت ارکان کی تعداد پر نہیں ہے۔ اور جو طاقت محض ارکان کی تعداد پر ہو وہ کچھ زیادہ دیرپا نہیں ہوتی۔ کانگریس کی طاقت اصول پرستی اور حق پرستی میں مضمر ہے۔ اگر کانگریس اصول اور حق کی قیمت پر ارکان میں اضافہ کرنا چاہتی ہو تو اس کا یہ اقدام جمہوریت کی سمت میں نہیں بلکہ آمریت کی سمت میں ہے۔

مسلمانوں کو یہ دھمکی کہ اگر وہ کانگریس میں شریک نہ ہوں تو ان کا سیاسی، معاشی اور مذہبی نقصان ہوگا اس دھمکی کے عین مشابہ ہے جو قاسم رضوی دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دھمکی دینے والے اگر کانگریس کے اخلاقی دیوالیہ پن کے قائل ہو چکے ہیں۔ اس دھمکی کا مطلب صرف یہ ہوا کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت اس لئے نہیں دی جا رہی ہے کہ کانگریس ایک جمہوری ادارہ ہے اور جمہوریت کو مستحکم بنانے کا ایک طریقہ کانگریس کو مستحکم بنانا ہے بلکہ دعوت اس لئے دی جا رہی ہے کہ شرکت نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔ کیا ہم کانگریس کے ارباب اقتدار سے دریافت کر سکتے ہیں کہ آیا کانگریس میں شرکت نہ کرنے والے ملک میں مروجہ قوانین کی حفاظت سے محروم ہو جاتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس کا نشانہ صرف مسلمانوں ہی کو کیوں بنایا جائے؟ اگر ایسا ہی ہے تو یہ اس اصول کی تعبیر ہوئی جو ہٹلر نے قائم کی تھی جسے رضوی نے اپنایا تھا۔ کیا آج کانگریس کے ارباب اقتدار ہٹلر اور قاسم رضوی کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں؟

اگر آج کانگریس کے ارباب اقتدار اسٹیٹ کانگریس کو ایک اسٹیٹ ادارے میں بدلنا چاہتے ہیں کہ وہ کانگریس میں شرکت نہ کریں۔ ہم عوام کی توجہ یہ بات دلانا چاہتے ہیں کہ ان کی وفاداری صرف کانگریس کے نام سے نہ ہونی چاہئے۔ ان کی وفاداری کانگریس کے اصولوں سے ہونی چاہئے۔ ان اصولوں سے جن کے لئے گزشتہ ۷۰ سال میں ہندوستان کے لاکھوں افراد نے قربانی کی۔ ان اصولوں سے جن کے لئے ہندوستان کی آزادی کے جنم داتا گاندھی جی نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اگر حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کے ارباب اقتدار کانگریس کے ان اصولوں کو ٹھکرانا چاہتے ہیں اور اگر وہ ہٹلر اور قاسم رضوی کے اصولوں پر حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کو چلانا چاہتے ہیں تو ہم ستیہ اور اہنسا کا واسطہ دے کر عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کانگریس کو توڑ دیں۔

مسلمانوں کی حد تک ہم نے اس سے قبل انہی کالموں میں اپنی غور شدہ رائے کا اظہار کیا تھا اور آج بھی ہم اس رائے پر قائم ہیں کہ وہ محض دھمکیوں سے ڈر کر کانگریس میں شرکت نہ کریں۔ ہم مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ کانگریس میں شریک ہوں یا نہ ہوں انہیں وہ تمام حقوق حاصل رہیں گے جو ملک کے کسی دوسرے شہری کو حاصل ہوں۔ اگر کوئی ان سے کہے کہ کانگریس میں شرکت سے چند امتیازی حقوق حاصل ہوں گے تو ہم مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایسا کہنے والا انہیں دھوکہ دے رہا ہے۔

آج اقتدار پسند کانگریسی اپنے اقتدار کی برقراری کے لئے مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں جس طرح کہ ماضی میں قاسم رضوی نے مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ اور دونوں صورتیں یکساں مسلمانوں کے لئے سود مند نہیں ہیں۔ کانگریس میں شرکت کا مسلمانوں کو اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ کسی دوسرے فرد کو۔ کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کسی کے رحم و کرم کے تابع نہیں اور نہ یہ کسی کے جبر و جور کے تابع ہونی چاہئے۔ دونوں صورتیں مسلمانوں، کانگریس اور ملک کے لئے مضرت رساں ہیں۔ جو کانگریسی یہ سمجھتے ہوں کہ کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت ان کی مرضی کے تابع ہے وہ دراصل کانگریس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہیں۔

مسلمان کانگریس یا کسی دوسرے سیاسی ادارے میں شرکت سے قبل خود اپنے ہی طور پر سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ وہ کانگریس کے اصولوں اور مقاصد کو خلوص دل سے قبول نہ کرتے ہوں اس وقت تک کانگریس میں شرکت نہ کریں۔ اور جو بھی انہیں دھمکیاں دیتا ہو اس کی رپورٹ ہمارے پاس روانہ کریں اور ہم جانبداری یا خوف کے بغیر ان رپورٹوں کو شائع کر دیں گے۔

انفرادی آزادی اور سیاسی تنظیم

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

حکومت سے باہر جو جماعتیں ہیں وہ قومی نہیں۔ ایسی جماعتوں کو باقی نہ رہنا چاہئے۔

(ریڈیکل ہیومنسٹ)

جیو، اور جینے دو!

"جیو اور جینے دو" کی پرانی کہاوت جب تک کسی ملک کے رہنے بسنے والوں کی زندگی کا دستور العمل بنی رہی، تو تاریخ شاہد ہے کہ وہاں کسی قسم کی بدامنی، مذہبی اختلاف، رنگ و نسل کے امتیاز اور فرقہ پرستی کے جذبات کے ماتحت نہیں پیدا ہونے پائے —

مگر جب سے انسان نے اس اہم معاشرتی اصول سے قطع نظر کر کے "جیو" کے سوا "جینے دو" کا تصور اپنے دماغ سے نکال دیا ہے اس وقت سے یہ دنیا جہنم بن کے رہ گئی ہے۔

کسی سماج یا معاشرت میں جب بھی نفسا نفسی اور ذاتی مفاد کو مقدم رکھنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اجتماعی شیرازہ درہم برہم ہونا شروع ہو جائے گا۔ معاشرتی اور سماجی زندگی میں فرد کا جداگانہ تصور ہی جرم ہے — چہ جائیکہ فرد کے ذاتی فائدے اور نفع کا سوال!

آج کل ہندوستان کے سارے کے سارے خلفشار اسی کلیہ کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہیں — اس دنیا میں ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ غریب ہو یا امیر، مزدور ہو یا سرمایہ دار، ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، جاہل ہو یا عالم۔ مگر ہماری خود غرضیوں اور تنگ دلیوں نے انسان کی تقسیم کر ڈالی ہے۔ بڑا چھوٹا، اونچا نیچا، چھوت اچھوت، صرف افراد کی تقسیم ہی نہیں جماعتوں کی تقسیم بھی، بڑی اکثریت، چھوٹی اکثریت، بڑی اقلیت، چھوٹی اقلیت — یہیں سے آپس کے نفاق، پھوٹ اور عداوت کی بنیاد پڑتی ہے اور آدمی آدمی کا جانی دشمن بن جاتا ہے، جماعتی جھگڑے چلتے ہیں۔ اقلیت و اکثریت کی آویزشیں پیدا ہوتی ہیں، فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے۔ مذہبی تعصب جنم لیتا ہے — اور انسان انسان کے رشتے کے بجائے ہندو مسلمان کے رشتے، ملک و وطن کے ناتے رنگ و نسل کی نسبت سے پہچانے جانے لگتے ہیں، یہی انسانیت کی موت ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے حیوانیت اور بہیمیت کی ابتدا ہوتی ہے۔

دنیا کے تمام سچے مذاہب، انسان کو اس کے بہیمانہ جذبات اور حیوانی خواہشات سے باز رکھنے کے لئے آئے، پیغمبروں، رشیوں، منیوں اور اوتاروں نے اس دنیا کو ایک ہی سبق دیا اور وہ انسانیت کا درس تھا — مگر انسان ہر وقت اس سبق کو بھولتا رہا۔ اور اس کی سزائیں بھگتتا رہا —

آخر میں مہاتما گاندھی نے ست، اہنسا اور پریم کا جو سبق دیا، وہ بھی اپنی سچائی کے نعروں کی آواز بازگشت تھی جو ابتدائے آفرینش سے برابر بلند ہوتے آئے ہیں — آج گاندھی جی ہمارے اندر نہیں ہیں لیکن ان کی آواز ہمارے کانوں میں آ رہی ہے — صداقت اپنی جگہ موجود ہے۔ عدم تشدد اور محبت و خلوص کا اصول اپنی جگہ اٹل ہے — اب اگر ضرورت ہے تو اس گوش شنوا کی جو سچائی کی آوازوں کو سن سکے۔ اب اگر حاجت ہے تو اس دل کی جو عدم تشدد اور محبت و خلوص کے اصول پر ایمان لا سکے۔

"جیو اور جینے دو" کے روادارانہ اصول پر جب تک ہم عمل نہیں کریں گے تو ہم اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی خود غرضانہ کوششوں میں ہمیشہ دوسروں کی زندگیوں کو برباد کرتے رہیں گے، اور دوسروں کی زندگی کی بربادی، ایک دن خود ہماری تباہی و بربادی کا سبب بنے گی۔ (ندیم)

لندن کانفرنس میں کیا ہوگا؟

اب یہ امر کھل کر سامنے آ گیا ہے کہ لندن میں دول مشترکہ کی کانفرنس کا موضوع ہندوستان ہی ہے گو سرکاری طور پر اس کا اعلان نہیں کیا گیا لیکن اس کانفرنس میں شامل ہونے والے تقریباً تمام وزراء اور لندن کے بڑے بڑے اخبارات اسی مسئلہ پر قیاس آرائی کر رہے ہیں کہ ہندوستان آزاد جمہوریت رہتے ہوئے کسی طرح کامن ویلتھ میں وہ شریک رہے۔ پنڈت نہرو اور دول مشترکہ کے دیگر وزیروں نے جو بیانات دیئے ہیں ان سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ ہندوستان ہر قیمت پر آزاد جمہوریت بن کے رہے گا۔ وہ جذباتی طور پر بھی اپنے عزم کو پختہ کر چکا ہے۔ اب کوئی تجویز اور کوئی خواہش اسے اس ارادے سے باز نہیں لا سکتی چنانچہ لندن کانفرنس میں جو بھی تجویز زیر غور آئے گی وہ ہندوستان کے اس عزم ہی کی بنیاد پر ہوگی۔ اور اس کے لئے دول مشترکہ کے دیگر اراکین آمادہ ہیں۔

لندن کانفرنس کا ہونے والا فیصلہ اب پوشیدہ نہیں رہا۔ ایک طرف ہندوستان اس بات کے لئے آمادہ ہے کہ وہ آزاد جمہوریت بننے کے باوجود کامن ویلتھ میں رہے گا۔ وہ خود محسوس کر رہا ہے کہ اسی میں اس کا اپنا مفاد پنہاں ہے اور دوسری طرف دول مشترکہ کے دیگر ممالک بھی ہر قیمت پر ہندوستان کو دول مشترکہ میں رکھنا چاہتے ہیں اس کے لئے سوائے جنوبی افریقہ کے باقی تمام ممالک اس تجویز پر تقریباً آمادہ ہو چکے ہیں کہ ہندوستان کو آزاد جمہوریت رہتے ہوئے بھی کسی طرح دول مشترکہ میں رکھا جائے۔ جب دونوں طرف اس کی آمادگی ہے تو مسئلہ صرف یہی رہ جاتا ہے کہ اس ارادے کو قانونی حیثیت سے عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ قانونی ماہرین کو اس میں زیادہ دقت بھی محسوس نہیں ہوگی۔

اس راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تاج ہے۔ ہندوستان یہ نہیں چاہتا کہ وہ تاج کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ اگر تاج کی رسمی وفاداری سے الگ رہنے کی اسے اجازت دیدی گئی تو وہ ہر طرح دول مشترکہ سے تعاون اور اشتراک کے لئے تیار ہے۔ اخبار مانچسٹر گارڈین نے لکھا ہے کہ اس راستے میں تاج کو رکاوٹ نہ بنانا چاہئے دول مشترکہ کے ممالک کے درمیان جو کئی رشتے ہیں ان میں ایک رشتہ تاج بھی ہے۔ جس کے بغیر دیگر رشتے ٹوٹ نہیں جاتے۔ یہ واقعہ بھی ہے۔ جس پر پنڈت نہرو خود اظہار خیال کر چکے ہیں کہ دراصل دول مشترکہ کے ممالک کا آپس میں اشتراک و تعاون آپسی مفاد ہی پر منحصر ہے۔ جہاں مفاد ٹکرا جاتا ہے وہاں تاج بھی تعاون نہیں پیدا کر سکتا۔ چنانچہ کیوں تاج کی محض رسمی وفاداری کی خاطر اس نازک دور میں ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کو کھو دیا جائے۔

الغرض دول مشترکہ کانفرنس میں کوئی دستوری طریقہ ایسا مرتب کیا جائے گا جس سے ہندوستان آزاد جمہوریت کی حیثیت سے بھی دول مشترکہ میں شامل رہے۔ اس کے علاوہ بحرالکاہل کی مشترکہ مدافعت کا مسئلہ بھی اس کانفرنس کے ایجنڈے سے خارج نہیں ہو سکتا۔ روس کے خلاف مغرب میں محاذ تو متحد ہو چکا ہے۔ (آزاد)

ریاستوں کا دستور حکومت ہند کے نئے دستور کا جزو

معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند کا جو نیا دستور منظور ہوگا۔ اس میں ریاستوں کے دستور کے متعلق بھی ایک نیا باب ہوگا۔ اس طرح ریاستیں دستور سازی کے طول عمل سے بچ جائیں گی۔

حکومت ہند ریاستوں کے انتظامات کو صوبوں جیسا بنانا چاہتی ہے۔ سوراشٹر حکومت نے اپنے بہت سے امور مرکز کے تحت کر دیئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صوبوں اور ریاستوں میں جو انتظامی اور آئینی فرق ہیں وہ مٹ جائیں گے اور دونوں ایک سطح پر آجائیں گے۔

حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے نمائندوں کے درمیان حال میں جو سمجھوتہ ہوا ہے اس کے بموجب ریاستوں کا دستور حکومت ہند کے دستور کا ایک لاینفک جزو ہوگا۔ اس طرح ریاستیں اسی طول طویل کارروائیوں سے بچ جائیں گی جو انہیں اپنے دستور بنانے میں کرنی پڑتیں۔ جب تک کہ نیا دستور نافذ العمل نہیں ہوتا۔

ریاستی دستور ساز اسمبلی ایک قانون ساز مجلس کی حیثیت سے کام کرے گی۔

حال ہی میں ریاستوں کے وزراء اور راج پرمکھوں کے درمیان جو بات چیت ہوئی ہے اس کے مطابق دو مشیر مقرر کئے جائیں گے۔ ایک تو ریاستی حکومتوں سے وابستہ ہوگا اور دوسرا راج پرمکھ کے ساتھ رہے گا۔

حکومت ہند نے طے کیا ہے کہ ریاستوں کے نظم و نسق کو صوبوں کی سطح پر لانے کے لیے وہ ان کو مشورہ دے گی ان کی نگرانی کرے گی اور انتظامی کاروبار کی روک تھام کرے گی۔

مرکزی امور کے علاوہ ریاستوں کے بقیہ مسائل کا انتظام منتخب وزراء اور مشیر کریں گے سوراشٹر حکومت نے طے کیا ہے کہ وہ حکومت ہند کی ایڈمنسٹریٹیو سروس میں شامل ہو جائے گی۔ یعنی آئندہ سے سوراشٹر حکومت کے افسران فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے منتخب کردہ ہوں گے۔ فیڈرل کورٹ میں سوراشٹر حکومت وہ آئینی مسائل لے جائے گی جو ریاست اور مرکز کے درمیان متنازعہ فیہ ہوں گے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی صاف ہو گئی ہے کہ سوراشٹر حکومت کی فوج کی ہندوستانی مسلح افواج میں کیا شکل ہوگی اور وہ کس طرح فراڈ کر میں ضم ہو جائیں گی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۵ اگست کو ہندوستان جو نیا آئین منظور ہوگا۔ اس میں ریاستوں کے آئین کے مطابق بالکل اسی طرح کا ایک باب ہوگا۔ جیسا صوبوں کے بارے میں ہے۔

اس اہم فیصلہ کا ایک اثر یہ ہوگا کہ ریاستوں اور صوبوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ کم سے کم تر ہو جائے گا۔ ریاستوں اور صوبوں کے آئین تقریباً یکساں ہوں گے ریاستوں میں گورنر کی جگہ حکمراں ہوں گے۔

پاکستان اور پولینڈ کے مابین

تجارتی معاہدہ

حکومت پاکستان نے آج پولینڈ سے ایک تجارتی معاہدے کی تکمیل کا اعلان کیا اور کہا کہ تجارتی لین دین میں متوقع اضافہ کے مد نظر کراچی اور وارسا میں قونصل خانوں کا قیام عمل میں آئیگا۔ اس معاہدہ کا نفاذ یکم جولائی سے ہوگا۔ جس کے تحت پاکستان پولینڈ کو روئی۔ اون اور چمڑے درآمد کرے گا اور پولینڈ، پاکستان کو شکر، کوئلہ اور فولاد برآمد کرے گا۔

اشتہار حاضری مدعی علیہ مرتبہ از محکمہ عدالت دیوانی ضلع ورنگل واقع ۲۱ خورداد ۱۳۵۸ف نمبر مقدمہ ۹ سنہ ۱۳۵۸ف باجلاس کبرت چند ناظم عدالت ضلع ورنگل۔ دی ورنگل کرشیل کمپنی لمیٹڈ بذریعہ ایم، اسے نرسیا مدعی بنام شنکے پلی نرسیا مدعی علیہم۔ دعویٰ۔ زر نقد مبلغ عسہ۔ دس ہزار روپیہ۔ بنام شنکے پلی نرسیا ولد راملو قوم تلنگہ عمر ۵۰ سال پیشہ زراعت سکنہ جنگاؤں پی سیوا راجپرلہ تعلقہ تلک۔ ہرگاہ مقدمہ صدر میں مدعی نے تمہارے نام ایک دعویٰ بابت صدر کا عدالت ہذا میں دائر کیا ہے جس کی جوابدہی کے لیے تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا کئے گئے لیکن ہر مرتبہ تمہاری عدم موجودگی کیوجہ سے بلا تعمیل واپس ہوتے رہے مدعی نے شکایت کی ہے کہ تم عمداً تعمیل سمن سے گریز کر رہے ہو یا روپوش رہتے ہو۔ لہذا انکو حکم دیا جاتا ہے کہ تم جہاں کہیں ہو تاریخ ۶ امرداد ۱۳۵۸ف اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہذا ہو کر مقدمہ ہذا میں جوابدہی کرو بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی کی جائے گی پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۲۱ خورداد ۱۳۵۸ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

شرعد تخط سرشتہ دار صاحب ضلع — شرعد تخط صیغہ دار صاحب عدالت

اشتہار مجریہ عدالت دیوانی منصفی تعلقہ کھم مورخہ ... ۱۳۵۸ف نمبر مقدمہ ... ۱۳۵۸ف باجلاس مولوی سید غوث محی الدین صاحب منصف کھم۔ مدعیہ پلاکنڈم دھن لکشمی بنام یرہ ملیا وغیرہ دعویٰ دخلیابی اراضی بنام سوم ریڈی کرہ ملیا ولد چندریا قوم کمنی عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت سکنہ موقع مجکے پلی تعلقہ کھم ۔۔۔ ہرگاہ بمقدمہ صدر تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا کئے گئے لیکن تعمیل ذات پر نہیں ہوئی۔ اس لئے حسب استدعا مدعی تمہارا نام اخبار میں مشتہر کرایا جاتا ہے لہذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم بتاریخ ۴ امرداد ۱۳۵۸ف بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہذا ہو کر مقدمہ ہذا میں پیروی و جوابدہی کرو۔ بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئے گی۔ پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا آج بتاریخ ۱۲ خورداد ۱۳۵۸ف میری دستخط و مہر عدالت سے جاری کی گئی۔

شرعد تخط سررشتہ دار صاحب عدالت

تاج محل

ہیر ڈریسنگ سیلون لیڈیز اینڈ جنٹس

روبرو دواخانہ ڈاکٹر کروسکر

حیدرآباد دکن